مروان اور اس کے باپ کا مقام

(حدیث اور مسلکِ سلف کی روشنی میں)

ملک غلام علی صاحب

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی تصنیف "خلافت و ملوکیت" کے خلاف پہلے کئی سال تک دیوبندی حضرات کا ایک خاص گروہ پورے ملک میں گلی گلی اور کوچے کوچے سبّ و شتم اور اشتعال و منافرت کا ایک طوفان برپا کرتا رہا۔ اس کے بعد اب ایک دوسرا گروہ ایک دوسرے انداز میں پیش قدمی کر رہا ہے اور طرح طرح کے اعتراضات کو بزعمِ خویش مُدَلّل و مُزخرف بنا بنا کر سامنے لا رہا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا مفتی شفیع صاحب کے صاحبزادے محمد تقی عثمانی صاحب نے "البلاغ" میں جو کچھ لکھا، اس کی علمی حیثیت میں اپنے جواب اور جواب الجواب میں واضح کر چکا ہوں جسے دیکھ کر اہل علم خود رائے قائم کر سکتے ہیں کہ اس مخالفت کی تہ میں علم و استدلال کا کتنا وزن ہے۔ اب مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کے رسالہ بیّنات نے اس میدان میں قدم رکھا ہے اور اس کی تازہ ربیع الثانی کی اشاعت میں محمد اسحٰق سندیلوی صاحب، مولانا ولی حسن ٹونکی صاحب اور مولانا محمد ادریس صاحب کی نگارشات شائع ہوئی ہیں۔ سندیلوی صاحب کی بحث تو نامکمل اور غالباً کسی کتاب کا جزو ہے۔ جو میری نظر سے نہیں گزری، اس لیے اس پر اس وقت کچھ لکھنا میرے پیش نظر نہیں ہے۔ لیکن دوسرے دو اصحاب نے جو خصوصی توجہ و عنایت میرے حال پر فرمائی ہے، اس کے متعلق کچھ عرض کرنے کا ارادہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کو طول دینے سے ہماری طبیعت ابا کرتی ہے اور عام ناظرین کے لیے بھی یہ ایک تھکا دینے والی بحث ہوگی لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ بعضِ مودودی بعض حضرات کو کسی طرح چین نہیں لینے دیتا اور وہ پے درپے اپنے بودے اور بے جان دلائل لا لا کر محض مولانا مودودی کی ضد میں بنو امیہ کے ہر فرد کی وکالت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں جو اکابرِ امّت میں سے کسی نے آج تک نہیں کی۔ "خلافت و ملوکیت" کے سلسلے میں میری اب تک کی بحث جو ترجمان القرآن

میں شائع ہو چکی ہے، اس میں ضمناً بعض مقامات پر مروان کا ذکر آ گیا ہے۔ بیّنات (کراچی) کے تازہ ربیع الثانی کے شمارے میں مروان سے متعلق ان مندرجات کا تعاقب کیا گیا ہے۔ اس کا تفصیلی جائزہ لینا تو سرِدست ممکن نہیں ہے، تاہم اس تعاقب کے بعض اجزاء ایسے ہیں جن پر تبصرہ و استدراک ضروری محسوس ہوتا ہے۔

مُستدرک کی حدیث مولانا مودودی نے خلافت و ملوکیت میں ص ۱۰۴ پر البدایہ کی ایک روایت کا حوالہ دیا تھا۔ مدیرِ البلاغ نے اس روایت کو مشتبہ قرار دیتے ہوئے ایک وجہ یہ بیان کی تھی کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو الفاظ: لعن اللہ الحکم وما ولد منسوب کیے گئے ہیں وہ مشکوک معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے اس کے جواب میں تحریر کیا تھا کہ ایسی متعدد روایات حدیث و تاریخ میں موجود ہیں۔ مثلاً مستدرک امام حاکمؒ جلد ۴ ص ۴۸۱ پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم اور اس کے بیٹے (مروان) پر لعنت کی ہے اور اس روایت کے متعلق امام ذہبیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ صحیح ہے۔ محمد تقی صاحب نے اس پر لکھا تھا کہ "توجہ دلانے پر میں نے مستدرک سے رجوع کیا اور مجھے یہ حدیث سندِ صحیح کے ساتھ مل گئی"[1]

اس کے بعد تازہ بیّنات میں مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ "تلخیص ذہبی میں "صحیح" نظر آنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حافظ ذہبیؒ نے صحت تسلیم کر لی۔ ہاں اگر صحیح کہیں اور پھر کوئی کلام نہ کریں تب مطلب یہی ہو گا کہ اس کی صحت تسلیم کر لی گئی۔ یہ روایت جسے مولانا عثمانی نے فراخدلی سے قبول فرما لیا ہے، صحیح نہیں۔ نہ حافظ ذہبیؒ نے اس کی تصحیح پر صاد کیا ہے، نہ اصولِ حدیث کے معیار ہی پر وہ پوری اترتی ہے، اس روایت کا مدار ابن رشدین پر ہے جو خود اور اس کا سارا گھرانہ کذاب تھا۔ مروان اور بنو امیہ کے بارے میں بیشتر روایات و حکایات کا یہی حال ہے کہ وہ کارخانہ رفض کی پیداوار ہیں اور یہ ایک الگ مقالے کا موضوع ہے"۔ اب مولانا ٹونکی صاحب کی ایک ایک بات پر علیحدہ اور مفصل کلام کیا جائے تو یہ بھی شاید کئی مقالوں کا موضوع بن جائے گا۔ اس لیے میں موجودہ جائزے میں ضروری باتیں عرض کروں گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ امام حاکم کی تصحیح سے امام ذہبی جب کبھی اظہارِ اختلاف کرتے ہیں یا "صحیح" لکھنے کے بعد زاید کلام کرتے ہیں، تو اس سے ہر حال میں یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث کو موضوع و مردود

---

[1] اب محمد تقی صاحب نے پھر اپنے اس موقف سے رجوع کرتے ہوئے لکھ دیا ہے کہ ان کا اعتراف صحیح نہ تھا اور بیّنات والوں کی بات درست ہے۔ تفصیل مضمون کے آخر میں ملاحظہ ہو۔

قرار دے رہے ہیں۔ اسی لیے امام ذہبیؒ کا انداز اور الفاظ ہر جگہ یکساں نہیں ہونے کسی جگہ وہ سختی اور قطعیت کے ساتھ لا، واللہ وغیرہ الفاظ کے ساتھ تنقید کرتے ہیں، اور بعض دفعہ نرم الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ صورت واقعی یہ ہے کہ امام حاکمؒ نے جو احادیث مستدرک میں جمع کی ہیں، ان کے نزدیک یہ احادیث اکثر و بیشتر بخاری و مسلم کی شرائط پر پوری اترتی ہیں اور ہر علت سے خالی ہیں۔ اس کے برعکس امام ذہبیؒ کے بیانِ اختلاف کا مقصود بالعموم یہ ہوتا ہے کہ فلاں حدیث شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر نہیں ہے یا اس میں کوئی مخفی علت ایسی ہے جس کی بنا پر اسے امام بخاری یا امام مسلم نے نہیں لیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مستدرک کی کوئی حدیث علیٰ شرط الشیخین نہیں تو "بس وہ کارخانہ رفض ہی کی پیداوار ہے"۔ اس طرح تو مستدرک ہی نہیں بلکہ صحاح کی بہت سی احادیث سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔

مثال کے طور پر مستدرک جلد اول ص ۲۳ کی دوسری حدیث پر امام حاکم لکھتے ہیں کہ "یہ حدیث صحیحین کی شرط پر ہے۔ مجھے اس میں کسی علت کا علم نہیں، لیکن بخاری و مسلم نے اسے نہیں لیا"۔ اس پر امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ "اس میں ایک راوی ایسا ہے جس سے فقط بخاری نے تخریج کی ہے مسلم نے نہیں کی"۔ اب ذہبیؒ کے اس ریمارک سے کیا یہ حدیث بالکل معلول اور ساقط الاعتبار ہو جائے گی؟ آگے ص ۴۲ پر ایک حدیث پر امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا ایک راوی عزیز الحدیث ہے اور اسی سے صحیحین میں روایت نہیں لی گئی۔ اسی طرح ص ۵۲ پر ایک راوی کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ کثیر الوہم ہے۔ اب کیا یہ سب احادیث موضوع قرار پائیں گی؟ یہی حال اس حدیث کا ہے جس کے متعلق مفتی صاحب فتویٰ دے رہے ہیں کہ وہ اصولِ حدیث کے معیار ہی پر پوری نہیں اترتی۔ امام ذہبیؒ نے اس حدیث کے ایک راوی احمد بن محمد بن حجاجؒ رِشدینی کے متعلق صرف یہ کہا ہے کہ اسے ابنِ عدی نے ضعیف کہا ہے۔ اب یہ تو ایسی جرح ہے کہ صحاح ستہ کے بھی بے شمار راوی ایسے ہیں جو اس سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ صحاح کے رجال اور شروح حدیث کا جس نے بھی مطالعہ کیا ہے وہ اس سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ ابن عدی کی تضعیف سے ابن رشدین کا رافضی یا جھوٹا ہونا لازم نہیں آتا۔ خود امام ذہبی نے میزان میں ابن رشدین دالرشدینی[1] سے یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ لولم ابعث فیکم لبعث عمر نبیاً (اگر میں تم میں مبعوث

---

[1] یہ لفظ رشدینی یا رُشدین نہیں ہے جیسا کہ بینات میں بار بار لکھا گیا ہے۔ صحیح لفظ رِشدین بروزن مِسکین ہے۔ صاحبِ تحفۃ الاحوذی اور دوسرے محدثین نے تصریح کی ہے کہ راء بالکسر ہے۔

نہ ہوتا تو غیر شیعی بن کر آتے) ۔ اب اس روایت کے راوی کو اور جو کچھ بھی کہا جائے، مگر رافضی کہنا تو لوبعجبی ہے ۔ اِس راوی کی روایات سنن ترمذی، ابن ماجہ اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ مثلاً ترمذی باب المندیل بعد الوضوء میں اسی رشدین کی حدیث موجود ہے ۔ آگے باب کراھیۃ التخطی یوم الجمعۃ میں بھی اسی راوی کے ضعف کے باوجود اس کی حدیث وارد ہے جس پر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں لا نعرفہ الا من حدیث رشدین بن سعد والعمل علیہ عند اھل العلم (اس حدیث کو ہم رشدین ہی کے واسطے سے جانتے ہیں اور اسی حدیث پر اہلِ علم کا عمل ہے)۔ قاضی استاذ احمد محمد شاکر جو سند کے معاملے میں بڑے متشدد ہیں، وہ اس حدیث کے حاشیے میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ومثل ھذا ابوجح عندی ان لا یقل حدیثہ عن درجۃ الحسن (رشدین جیسے راوی کے معاملے میں میرے نزدیک قولِ راجح یہ ہے کہ اِس کی حدیث حَسَن کے درجے سے فروتر نہیں ہے)۔

یہ بات فی الواقع بڑی عجیب وغریب ہے کہ جس راوی کی روایت مولانا مودودی یا ان کی تائید میں راقم کی طرف سے نقل کر دی جاتی ہے اُس میں فوراً کیڑے پڑ جاتے ہیں اور وہ راوی جھٹ سے رافضی اور کذاب بن جاتا ہے ۔ میں نے اس کی متعدد مثالیں محمد تقی صاحب کے مضامین میں بھی دیکھی ہیں۔ مثلاً: البلاغ صفر ۱۳۸۹ھ ص ۱۵ پر ابنِ جریر کی ایک روایت جس کا خلافت وملوکیت میں حوالہ دیا گیا تھا، اس کا ایک راوی مجالد بن سعید ہے ۔ اس کے متعلق اصحابِ رجال کے اقوال میں کتر بیونت کرتے ہوئے عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ اس راوی کے تضعیف ہونے پر تمام ائمہ حدیث کا اتفاق ہے ۔ یہ جھوٹا ہے، شیعہ ہے، مجہول ہے، متروک ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حالانکہ حافظ ابن حجر اور حافظ محمد بن طاہر المقدسی کی تصریح کے مطابق اس مجالد بن سعید سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث لی ہے اور ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابنِ ماجہ چاروں نے اس سے روایت کی ہے ۔ ائمہ احناف نے اس راوی کی روایات اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ مثال کے طور پر امام ابو یوسف نے الرد علی سیر الاوزاعی (لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ، حیدرآباد ص ۵) میں اس سے روایت لی ہے اور مولانا ابوالوفاء الافغانی[1] حاشیے میں اس راوی کے متعلق فرماتے ہیں:

[1] مولانا ابوالوفاء افغانی ایک بلند پایہ حنفی عالم ہیں جنہوں نے احناف کی متعدد امہات کتب تحقیق وتنقیح کے ساتھ مصر اور حیدرآباد دکن میں شائع کرائی ہیں اور اس غرض کیلیے لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ کے نام سے مستقل ادارہ قائم کیا ہے ۔ یہ مدرسہ نظامیہ میں استاذ بھی تھے ۔ ان کے سامنے محمد تقی عثمانی صاحب جیسوں کی حیثیت طفلِ مکتب کی بھی نہیں ہے ۔

احد الاعیان، یعنی یہ نمایاں اور سربرآوردہ رواۃِ حدیث میں سے ہیں اور ان سے ان کے بیٹے اسماعیل[1]، امام سفیان ثوری، اصحابِ سُنَنِ اربعہ، ابن المبارک اور خلقِ کثیر نے روایت کی ہے۔ اب ایک طرف ان ائمہ حدیث وفقہ کو دیکھیے اور دوسری طرف علم وفن کے ان اجارہ داروں کو دیکھیے جو بلا تکلف ہر راوی کے بارے میں لکھ دیتے ہیں کہ اس کے پیچھے تو تالیاں پیٹی جاتی تھیں اور اس کے پاس جو بھی جاتا تھا وہ بہت جھوٹ لکھ کر لاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان مدعیانِ علم نے اپنے سواء ہر دوسرے شخص کو جاہلِ مطلق سمجھ رکھا ہے۔

اب اس راوی رِشدین کا بھی یہی حال ہے کہ اسے محض اس لیے رگیدا جا رہا ہے کہ اس کی روایت مَیں نے مولانا مودودی کی ضمنی تائید میں پیش کر دی ہے اور رگیدنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ اس طرح کے اقوالِ جرح تو چھانٹ کر امام ابوحنیفہؒ کے خلاف بھی بہت سے پیش کیے جا سکتے ہیں، اور کیے جاتے ہیں۔ مفتی صاحبان کو چاہیے کہ وہ ہر بات کو پہلے اچھی طرح تولیں، پھر بولیں۔ امام بخاریؒ تاریخ کبیر میں امام ابوحنیفہؒ کے متعلق کہتے ہیں: کان مرجئًا سکتوا عن رأیہ وعن حدیثہ۔ تاریخ صغیر میں اس سے بھی سخت تر الفاظ ہیں۔ مُسندِ احمد، صحاحِ ستہ حتیٰ کہ سُنَنِ دارمی میں امام ابوحنیفہؒ سے کوئی حدیث روایت نہیں کی گئی۔ تو کیا اس بنا پر وہ متروک و مجہول شمار کیے جائیں گے؟ رجال کی کتابوں میں سے کسی راوی کے متعلق جرح نکال کر دیکھ لینا اور بس فقط اس کی بنا پر کسی روایت کو رد کر دینا علمِ حدیث کا محض سطحی مطالعہ کرنے والوں کا کام ہے۔ جرح وتعدیل کی کتابوں میں کم ہی راوی ایسے ملیں گے جن کی سب نے تعدیل کی ہو، ورنہ بیشتر پر کسی نہ کسی نے جرح کی ہے، مگر اس کے باوجود کبار محدثین نے ان مجروحین کی احادیث نہ صرف یہ کہ اپنی کتابوں میں لی ہیں، بلکہ محدثین وفقہاء اپنے مسلک کی تائید میں جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں، ان میں سے بکثرت ایسی ہیں جن کے راوی کسی نہ کسی کے نزدیک مجروح ہیں۔

مَیں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی جس حدیث کا حوالہ مُستدرک سے دیا ہے، اس کے ساتھ مفتی ولی حسن صاحب نے مستدرک کی اسی مضمون کی بعض دوسری روایات میں بھی انقطاع اور ایک مجہول راوی کی نشان دہی فرمائی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ جن روایات کو مَیں نے خود ہی قابلِ نقل نہیں سمجھا، ان پر خامہ فرسائی کی کیا حاجت تھی۔ تاہم مفتی صاحب موصوف سے یہ امر تو مخفی نہ ہوگا کہ کسی روایت کی کسی ایک سند میں کلام ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا متن ضرور غیر صحیح یا موضوع ہو۔ عین ممکن ہے کہ یہ متن یا اس کے توابع وشواہد دوسری اسنادِ صحیح سے مروی ہوں۔ امام ابن جوزی نے اسی طرح بعض احادیث (جن میں

[1] ان سماعیل سے امام بخاری نے صحیح میں حدیث لی ہے اور یحییٰ بن معین، احمد بن سلیمان جیسے محدثین ان کے شاگرد ہیں جو حضرت ابوبکرؓ کے سلام لانے کی روایت ان سے بیان کرتے ہیں (کتاب الجمع بین رجال الصحیحین، امام ابن طاہر المقدسی ص ۲۲۷)۔

صحاح بلکہ صحیحین کی احادیث بھی ہیں) پر موضوع ہونے کا حکم لگا دیا اور محض اس بنا پر لگا دیا کہ جو سند ان کے سامنے تھی اس کے راوی مجروح تھے۔ اب یہی صورت یہاں درپیش ہے کہ یہ لعنت والا مضمون متعدد احادیث میں مذکور ہے جن میں سے سردست میں مسند احمد کی ایک حدیث نقل کرتا ہوں جو مسند عبداللہ بن زبیرؓ میں مروی ہے۔ اور وہ یہ ہے:

امام احمدؒ اور دیگر ائمہ کی احادیث

حدثنا عبد الرزاق أنا ابن عُيينة عن اسماعيل بن ابي خالد عن الشعبي قال سمعت عبد الله بن الزبير وهو مستند الى الكعبة وهو يقول ورب هذه الكعبة لقد لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم فلانا وما ولد من صلبه (ہم سے عبدالرزاق نے، اُن سے ابن عُیینہ نے، اُن سے اسمٰعیل نے اور ان سے شعبی نے حدیث بیان کی کہ میں نے عبداللہ ابن زبیرؓ کو خانہ کعبہ سے ٹیک لگائے یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ اس کعبے کے رب کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں اور اس کے صلبی بیٹے پر لعنت کی ہے)۔

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے جب یہ حدیث بیان کی ہوگی تو اس میں اس شخص اور اس کے لڑکے کی ضرور تصریح فرمائی ہوگی جس پر آنحضورؐ نے لعنت فرمائی تھی، ورنہ ارشادِ نبوی بالکل مبہم اور غیر واضح رہتا لیکن راویانِ حدیث کا یہ طریقہ ہے کہ کسی فردِ متعین کا ذکر جب بار بار ایک ہی مفہوم پر مشتمل احادیث میں آتا ہو تو بعض اوقات وہ نام کو حذف کر کے فقط فلاں کا لفظ کہہ دیتے ہیں کیونکہ کہنے والے اور سننے والے خوب جانتے ہوتے ہیں کہ یہاں کون شخص مراد ہے۔ اس حدیث میں بھی جس باپ بیٹے کا ذکر ہے وہ حکم اور مروان کے سوا کوئی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ کوئی اور باپ بیٹا ایسا احادیث میں مذکور ہی نہیں جو موردِ لعنتِ نبوی ہوا ہو۔ اب اگر مولانا دلی حسن صاحب پسند کریں تو مُسند احمد کی اس حدیث اور اس کے رُواۃ پر بھی طبع آزمائی فرمائیں مگر اس وادی میں قدم رکھتے ہوئے یہ بھی یاد رکھیں کہ امام احمد بن حنبل بالاجماع اعرف بالحدیث ہیں اور ان کے مُسند کی جن مرویات پر تنقید کی بھی گئی ہے، ان میں سے ایک ایک کا دفاع حافظ ابن حجرؒ اور دوسرے محدثین نے کر دیا ہے۔ اس لیے محض کتب رجال کے چند اقوال کے بل پر کچھ کہہ دینے سے کام نہیں چلے گا۔ اس معاملے میں بھی آپ کو تنگ دلی نہیں بلکہ چار و ناچار وہ فراخدلی ہی دکھانی پڑے گی جس کا طعنہ آپ محمد تقی صاحب عثمانی کو دے رہے ہیں۔

صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ احقاف کے تحت ایک حدیث ہے جس میں بیان ہے کہ امیر معاویہؓ نے جب مروان کو مدینے کا عامل بنایا تو اس نے بیعتِ یزید پر لوگوں کو آمادہ کرنے کے لیے خطبہ دیا۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے ٹوکا تو مروان نے کہا کہ پکڑو اسے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے بھاگ کر حضرت عائشہ کے گھر میں پناہ لی۔ مروان نے وہاں جاکر کہا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے متعلق قرآن میں ہے وَالَّذِی قَالَ لِوَالِدَیْهِ أُفٍّ لَّکُمَا... حضرت عائشہؓ نے پردے کے پیچھے سے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ کے گھر والوں کے متعلق قرآن میں کچھ نہیں اُترا سوائے اس کے کہ اللہ نے میری براءت نازل فرمائی۔ بخاری میں تو اتنا ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے، لیکن سُورۂ احقاف کے اس مقام کی تفسیر میں اور اس حدیث کی تشریح میں اکثر مفسّرین و محدثین نے لکھا ہے کہ مروان کی اس غلط بیانی کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہؓ نے مروان کو یہ بھی یاد دلایا تھا کہ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے لعنت کی ہے۔ مثال کے طور پر تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن ابی حاتم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ مروان سے حضرت عبدالرحمٰن نے کہا تھا:

"الست ابن اللعین الذی لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاک؟"

(کیا تو لعین کا بیٹا نہیں ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے لعنت کی ہے؟)

پھر حافظ ابن کثیر امام نسائی کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے مروان کی الزام تراشی کے جواب میں فرمایا: "مروان جھوٹ کہتا ہے۔" مزید فرمایا: "ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم لعن ابا مروان ومروان فی صلبه فمروان فضض من لعنة اللہ (بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مروان کے باپ پر اس حالت میں لعنت فرمائی جبکہ مروان باپ کے صلب میں تھا، پس مروان اللہ کی لعنت میں حصہ دار ہے)۔

بخاری کی مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی نے محدث الاسماعیلی سے ایک روایت بیان کی ہے جس میں حضرت عائشہؓ کا یہی قول نقل کیا ہے کہ "لکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن ابامروان ومروان فی صلبه فمروان فضض ای قطعة من لعنة اللہ عزّ وجلّ۔ پھر حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے محدث ابویعلی کی روایت نقل کرتے ہیں کہ جب مروان اور حضرت ابن ابی بکرؓ کے مابین تکرار ہوئی اور مروان نے حضرت عبدالرحمٰن پر جھوٹا اتہام عائد کیا تو انہوں نے

فرمایا: الستَ ابن اللعین الذی لعنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پھر حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسماعیلی کے حوالے سے حضرت عائشہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ:

ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اباھروان وھروان فی صلبہ۔

امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء ایک مشہور و متداول کتاب ہے جو مدتہائے دراز سے درسِ نظامی کا جزو رہی ہے۔ یہ دراصل امام ذہبی کی تاریخ کا ایک جامع خلاصہ ہے۔ اس میں بھی حضرت معاویہؓ کے حالات کے آخر میں امام نسائی اور ابن ابی حاتم کے حوالے سے حضرت عائشہؓ کی حدیث نقل کی گئی ہے:

ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اباھروان وھروان فی صلبہ فمروان

فضض من لعنۃ اللہ۔

ان جملہ مفسرین، محدثین اور مؤرخین نے مروان کے لعنت زدہ ہونے پر دلالت کرنے والی یہ ساری احادیث اپنی کتابوں میں بلا تنقید نقل کی ہیں اور ان پر درایۃً یا روایۃً کوئی اعتراض وارد نہیں کیا ہے۔ اس طرح کے متعدد دیگر اقوالِ سلف بھی پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد میں تبیّنات کے مقالہ نویسوں سے پوچھتا ہوں کہ آیا یہ سارے حضرات رافضی اور کذاب ہیں جو امّ المومنین حضرت عائشہؓ اور ان کے برادرِ بزرگوار سے یہ نقل کر رہے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان اور اس کے باپ پر لعنت بھیجی ہے؟ یا معاذ اللہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن ابی بکرؓ محض مروان کو مطعون کرنے کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غلط باتیں منسوب کر رہے ہیں؟ کیا سُنّی کہلانے اور صحابۂ کرام کا احترام کرنے کا مطلب آپ کے نزدیک یہ ہے کہ مروان کی ہر حال میں وکالت و مدافعت کی جائے۔ اپنے سوا ساری دنیا کو رافضی ٹھہرایا جائے اور مروان پر کسی حدیثِ صحیح کی زد پڑتی ہو تو اس کا بھی انکار کر دیا جائے؟

مولانا شبلیؒ کا قول: مفتی ولی حسن صاحب فرماتے ہیں کہ بنو امیہ کے بارے میں بیشتر روایات و حکایات کارخانۂ رفض کی پیداوار ہیں مگر میں مفتی صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ مسند احمد اور صحاح کے مصنفین کا اس کارخانے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ہاں البتہ روایات کی بہت سی فیکٹریاں خود بنو امیہ اور بنو عباس کے ہاں بھی چالو تھیں۔ چنانچہ مولانا شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

در فنِ تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں، ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ ان کا قلم

تلوار سے نہیں دبا۔ حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانے میں ہوئی ہے جنہوں نے پورے نوّے[1] برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد میں آلِ فاطمہؓ کی توہین کی اور جمعہ میں بر سر منبر حضرت علیؓ پر لعن کہلوایا۔ سینکڑوں حدیثیں امیر معاویہؓ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانے میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا، عین اسی زمانے میں محدثین نے علانیہ منادی کر دی کہ یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں۔ آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے اور بنو امیہ اور عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشینِ پیغمبر تھے، اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں انہیں ہونا چاہیے تھا۔"

(سیرۃ النبیؐ حصہ اول طبع ہفتم، اعظم گڑھ، ۱۹۶۵ء ص ۶۶)

بہر کیف محدثین رحمہم اللہ کی قبور کو اللہ نور سے معمور فرمائے، انہوں نے نہ صرف روافض و نواصب اور بنو امیہ و بنو عباس کے ان کارخانوں کی مصنوعات کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا، بلکہ انہوں نے ایسی صحیح احادیث کو بھی علانیہ بیان فرمایا جن میں سیئاتِ بنی اُمیہ کی پیشین گوئی کی گئی تھی اور بنو اُمیہ ہی کے زمانے میں اپنی جان پر کھیل کر حضرت علیؓ اور اہلِ بیت کے ان مناقب کی بھی نشر و اشاعت کی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے تھے، اور جنہیں لوگوں کے دلوں سے محو کرنے کے لیے حضرت علیؓ اور ان کے گھرانے پر لعنت بھیجی جاتی تھی۔

سرِ دست مولانا مفتی ولی حسن صاحب کے تعقبات کے جواب میں گزارشاتِ بالا پر اکتفا کرتے ہوئے اب میں چند باتیں اس "تذییل" کے بارے میں عرض کروں گا جو محترم مولانا محمد ادریس صاحب مدیر "بینات" نے رقم فرمائی ہیں۔ سب سے پہلے مجھے مروان کے متعلق ان کے درجِ ذیل ارشاد پر اپنی گزارش پیش کرنا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

"اگر مروان کا باپ اور اس کی ساری نسل — بقول ملک صاحب — ملعون علیٰ لسانِ نبوت تھی تو ملک صاحب اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ معاذ اللہ اسی ملعون کے صلبی لڑکے عبدالعزیز کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خاندان نے حضرت عمرؓ کی پوتی بیاہ دی اور

[1] نوّے سال یوں بنتے ہیں کہ ۴۱ھ میں امیر معاویہؓ خلیفہ بنے اور ۱۳۲ھ میں جا کر ابو العباس سفّاح نے اموی خلافت کا خاتمہ کر کے عباسی سلطنت کی بنا ڈالی۔ اس پورے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن ولید کے مختصر عہد کو چھوڑ کر حضرت علیؓ و بنو فاطمہ پر بر سر منبر لعنت کی جاتی رہی۔

اسی کے بطن سے عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم پیدا ہوئے جنہیں مولانا مودودی خلیفۂ راشد تسلیم کرتے ہوں گے۔ کیا فاروقی گھرانے کو اس ملعونیتِ عامہ کا انکشاف نہیں ہوا تھا؟

بے بنیاد اتہام: مولانا موصوف نے میری عبارت پر یہ اعتراض و اشکال وارد کرتے ہوئے ترجمان القرآن، مئی ۱۹۶۱ء کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن میں نے اس ماہ کے ترجمان میں کہیں بھی یہ بات نہیں لکھی کہ مروان کا باپ اور اس کی ساری نسل ملعون علیٰ لسانِ نبوت تھی۔ میں نے اس پرچے میں ایک جگہ صرف "مروان کا ملعون علیٰ لسانِ نبوت ہونا" بیان کیا ہے (ص ۱۹) اور اگلے صفحے پر بھی صرف مروان کو لعنت زدہ لکھا ہے۔ اس سے اگلے صفحے پر بھی ایک جگہ مروان اور دوسری جگہ "مروانیوں کی معنوی ذریت" کے الفاظ میرے قلم سے نکلے ہیں۔ یہاں مروانیوں سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے گفتار و کردار میں مروان اور اس کے باپ سے ملتے جلتے ہیں۔ اس سے مراد ہرگز ساری نسلِ مروان نہیں ہے۔ میرے الفاظ "معنوی ذریت" میرے مدعا پر شہادت و دلالت کے لیے کافی ہیں۔ ترجمان کے مئی کے اس شمارے کے علاوہ بھی، جہاں تک مجھے یاد ہے اور جہاں تک میں اپنی پوری بحث کی ورق گردانی کر سکا ہوں، میں نے یہ بات کہیں بھی نہیں لکھی کہ مروان یا اس کے باپ کی "ساری نسل" ملعون علیٰ لسانِ نبوت تھی۔ تاہم میں مولانا محمد ادریس صاحب اور جملہ حضرات قارئین کے سامنے یہ بات نہایت صفائی اور وضاحت کے ساتھ بیان کیے دیتا ہوں کہ اگر کبھی میں نے ایسی بات کہی ہو یا میری کسی بات سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہو کہ میں خدانخواستہ مروان کی تاقیامت پوری نیچے تک کی نسل کو اللہ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مستحق سمجھتا ہوں تو میں اس سے عنداللہ قطعی براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ میں ہزار بار اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں اس خیالِ باطل سے کہ عمر ثانیؒ، پانچویں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کو (معاذ اللہ) اس لعنت کا مصداق سمجھوں جو احادیثِ مذکورہ میں وارد ہے۔ میں تو ترجمان جلد ۵۷، عدد ۶ میں خلافت و ملوکیت پر بحث کرتے ہوئے حضرت نعمانؓ بن بشیر کی ایک حدیث نقل کر چکا ہوں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خونخوار ملوکیت اور جبر و استبداد کی حکومت کے بعد دوبارہ خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کے قیام کی خوشخبری دی ہے اور یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ اس حدیث کے ایک راوی حبیب بن سالم جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہم عصر تھے، انہوں نے بطور تبشیر و تذکیر یہ حدیث حضرت ابن عبدالعزیز کو لکھ بھیجی تھی اور ساتھ تحریر کیا تھا کہ میں امید کرتا ہوں کہ آپ ہی وہ امیر المومنین ہوں گے جو از سرِ نو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا احیاء کریں گے اور حضرت عمرؒ اس پر بڑے

مسرور و شاداں ہوتے۔ یہ بات بھی میں اپنے سلسلۂ مضامین میں واضح کر چکا ہوں کہ حضرت عمرؒ ثانی ہی نے بنو امیہ اور مروان کی متعدد بدعات و سیئات کا خاتمہ کیا۔ مثلاً فدک کو مروان نے اپنی ذاتی جاگیر بنا لیا تھا اور اس کا ورثہ حضرت عمرؒ تک بھی پہنچا مگر آپ نے اسے دوبارہ ریاستی املاک میں شامل کیا۔ منبروں پر لعن طعن کا خاتمہ آپ ہی نے کیا۔ اس کے بعد مجھ پر یہ بہتان کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ میں حکم اور مروان کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بھی خدانخواستہ ملعون سمجھتا ہوں؟

حقیقت یہ ہے کہ ان احادیث میں حکم کے ساتھ جو ما ولد کے الفاظ ہیں، ان سے مراد میرے نزدیک حکم کا بیٹا مروان یا پھر حکم اور مروان کی وہ اولاد ہے جو اپنے اوصاف و اخلاق میں اس باپ بیٹے سے ملتی جلتی ہے۔ اس میں حکم یا مروان کی ساری اولاد شامل نہیں ہے۔ حکم اپنے ان افعال کی وجہ سے لعنت کا مستحق ہوا جو اس سے حضور نبوتؐ میں سرزد ہوئے اور جن کی وجہ سے اُسے اور اس کے ساتھ مروان کو مدینہ بدر ہونا پڑا اور مروان اپنے ان افعالِ شنیعہ کی وجہ سے اس کا مستحق بنا جو عہدِ نبوی کے بعد اس سے صادر ہوئے اور جن کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی دی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ جب مروان اور اس کا والد اپنے افعال ہی کی بنا پر موردِ لعنت بنا، تو پھر مروان اور حکم کی ساری اولاد کس طرح ملعون قرار پا سکتی ہے حکم کے بیس بیٹے تھے جن میں سے ایک مروان تھا اور مروان کے بھی آگے بارہ بیٹے تھے۔ یہ سب عادات و خصائل میں اپنے باپ کے مشابہ نہ تھے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان سب پر وعید نبوی کو چسپاں کیا جائے حکم کا ایک بیٹا اور مروان کا بھائی عبدالرحمٰن بن حکم بھی تو تھا جس کے متعلق علامہ ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتے ہیں کان لا یری رأی صعان (اس کے خیالات و نظریات مروان سے مختلف تھے)۔ اب آخر کیا وجہ ہے کہ میں عبدالرحمٰن کو بھی ملعون سمجھوں۔ میرے خلاف اور میری پیش کردہ احادیث کے خلاف "بیّنات" کا یہ اعتراض اُسی طرح کا ہے جس طرح بنو امیہ کے بعض دوسرے حامی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے خلاف کرتے ہیں جو بنو امیہ اور بنو مروان کی مذمت میں دیگر احادیث میں وارد ہیں اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ ان کی زد حضرت عثمانؓ اور عمر بن عبدالعزیز پر پڑتی ہے، حالانکہ ان میں سے متعدد احادیث کی سند بالکل صحیح ہے اور محدثین و شارحین نے ان سے حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عبدالعزیز کو خارج و مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ بہرکیف جس پر اللہ اور اس کے رسول نے اس کے کرتوتوں کی بنا پر لعنت کی ہو، مجھے اُسے ملعون علی لسانِ نبوت سمجھنے یا کہنے میں کوئی تردّد نہیں ہے۔ یہ چیز کسی پر

شاق گزرتی ہے تو گزرتی رہے۔

مولانا محمد ادریس صاحب مجھ سے اس بات پر خفا ہیں کہ میں نے "غریب مروان کو خوب پیٹ بھر کر صلواتیں سنائی ہیں اور میری تحریر منہ بول کر کہہ رہی ہے کہ یہ سُنّی کے قلم کی تراوش نہیں بلکہ کسی جلے کٹے رافضی کی تخلیق ہے"۔ پھر فرماتے ہیں "انہیں ذوقِ مودودیت کی وکالت کے بنیادی حق سے کون روک سکتا ہے، تاہم وہ یہ نہ بھولیں کہ مروان کو اکثر محدثین صغارِ صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں اجلّہ تابعین کے علاوہ جلیل القدر صحابی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ امام بخاری مروان کی احادیث روایت کرتے ہیں، امام مالک نے مؤطا میں ان کے فتاویٰ اور فیصلوں کو بطورِ حُجّت نقل کیا ہے۔ اگر مروان اسی قماش کا آدمی تھا جیسا کہ رافضی افسانوں کے سہارے محترم ملک صاحب باور کرانا چاہتے ہیں تو وہ بتائیں کہ اس صورت میں ان کے عطا کردہ خطابات کا مستحق کیا صرف مروان رہ جاتا ہے اور کیا صحابہ و تابعین وغیرہ اس کی لپیٹ میں نہیں آجاتے"؟

مالکؒ و بخاریؒ کی روایتِ مروان جناب مولانا محمد ادریس صاحب نے اپنے قلم سے جو لولوئے لالا یہاں داو آگے چل کر بکھیرے ہیں ان پر پورے دل آسنگاف انداز میں کچھ عرض کرنا تو شاید سُوءِ ادب ہو لیکن میں کیا یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ جب مروان کو "اکثر محدثین" صغارِ صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور امام بخاری کے اس سے روایت بیان کرنے کی بنا پر مروان کی جلالتِ قدر میں اور اضافہ ہو جاتا ہے تو پھر آپ "غریب مروان" اور "اس قماش کا آدمی" کہہ کر کیوں "توہینِ صحابہ" کا ارتکاب فرما رہے ہیں۔ یہ الفاظ بھی تو کسی سُنّی کے قلم سے نہیں ٹپکنے چاہییں، آپ کی زبان قلم کو تو رافضی افسانوں سے کوئی اثر قبول نہیں کرنا چاہیے اور بعض دوسرے "مُسنّیوں" کی طرح جب بھی مروان کا ذکرِ خیر ہو، تو آپ کو بھی حضرت مروان رضی اللہ عنہ رقم فرمانا چاہیے۔ یہ نیمے دروں نیمے بیروں کی پالیسی آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ مروان کے صحابی یا غیر صحابی ہونے کے مسئلے پر میں انشاءاللہ کبھی تفصیل سے لکھوں گا، البتہ روایتِ حدیث کے معاملے میں حقیقتِ حال اور صحیح موقف وہی ہے جو میں پہلے عدالتِ صحابہ و عدالتِ رواۃ کی بحث میں بیان کر چکا ہوں۔ جو راوی بھی صادق القول فی روایت الحدیث ہے وہ خواہ مبتدع ہو، مرتکب کبیرہ ہو، اس کی روایت بلا تأمل لی جا سکتی ہے اور لی گئی ہے۔ صحیح بخاری میں بھی مروان سے روایت اسی بنا پر اخذ کی گئی ہے۔ اس سے مروان کی صحابیت و جلالت کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا، امام بخاریؒ نے بالعموم مروان

کی روایت حضرت مسوَرؓ بن مخرمہ کو ساتھ مقرون و ملحق کر کے لی ہے۔ تاہم اُس سے تنہا کوئی روایت مَری ہو تو وہ بھی قابلِ قبول ہے کیونکہ امام بخاریؒ کے نزدیک حضرت عُروہ بن زبیرؓ کے قول کے مطابق مَروان متہم فی الحدیث نہیں تھا۔ اس کے متعلق حافظ ابنِ حجرؒ کی تصریح درج ذیل ہے، جسے انہوں نے ہدی الساری الفصل التاسع، میں مجروح راویوں پر بحث کرتے ہوئے مروان کے زیرِ عنوان دیا ہے:

فانما حمل عنہ سھل بن سعد وعروہ وعلی بن الحسین وابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحرث وھؤلاء اخرج البخاری احادیثھم عنہ فی صحیحہ لما کان امیرًا عندھم بالمدینۃ قبل ان یبدو منہ فی الخلاف علی ابن الزبیر ما بدا (مروان سے حضرت سہل بن سعد، عروہ، علی بن حسین اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے جو حدیث لی ہے اور ان کی تخریج امام بخاری نے صحیح میں کی ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ ان اصحاب کی موجودگی میں امیرِ مدینہ تھا اور جب تک اُس سے حضرت ابن زبیرؓ کی مخالفت کا صُدور نہیں ہُوا تھا)۔

ابن حجرؒ کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ان مذکورہ بالا حضرات نے مروان سے اس وقت تک روایت اخذ کی ہے، جب تک اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے مقابلے میں اپنی سلطنت قائم کرنے کے لیے اپنی تلوار نیام سے نہیں نکالی تھی اور اسی زمانے کی مرویاتِ مروان کو امام بخاری نے صحیح میں لیا ہے۔ مگر میرے خیال میں یہ تحدید و تخصیص کچھ زیادہ مفید نہیں ہے کیونکہ مروان کے کارنامے پہلے بھی کچھ کم نہ تھے۔ صحیح تر بات یہی ہے کہ مروان کی ساری زیادتیوں کے باوجود جب اس سے کذب فی الحدیث کا ثبوت نہیں ملتا تو اس کی روایت بلاتامل لی گئی ہے اور لی جانی چاہیے مگر اس سے اس کے معائب و مثالب کالعدم نہیں ہو جاتے۔ باقی رہی یہ بات کہ امام مالکؒ نے مروان کے فقہی فتاوی اور فیصلوں کو بطورِ حجت پیش کیا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ فیصلے دراصل مدینۃ النبیؐ کے مکین اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجماعی عمل پر مبنی تھے جس کی خلاف ورزی مدینہ میں رہتے ہوئے آسان نہ تھی۔ اس کے باوجود مروان نے متعدد بدعات و محدثات کو رائج کرنے کی کوشش کی جن کی تصویب نہ امام مالکؒ یا کسی دوسرے محدث و فقیہ نے کی اور نہ جن پر عمل کرنے کی جرأت آج مدبر تبانت یا کسی دوسرے شخص کو ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر عیدین کے لیے خطبہ نماز سے پہلے دینا

اور اس کے لیے منبر کا اہتمام کرنا۔ آخر ان "مروانی فیصلوں" کو اُمتِ مسلمہ میں کس نے اُس وقت سے لے کر آج تک حجت مانا ہے۔ امام مالکؒ نے مؤطا میں آنحضورؐ اور خلفائے راشدین کی سُنّت بیان کی ہے کہ وہ خطبۂ عیدین نماز کے بعد پڑھتے تھے مگر مروان کی "سُنّت" کا ذکر نہیں کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے مسوّیٰ میں تقریباً ساڑھے اٹھارہ سو شیوخِ مالکؒ کو نام بنام بیان کیا ہے مگر مروان کا نام مجھے ان میں کہیں نظر نہیں آیا، بلکہ امام ابن حزم نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ مالکیہ کا عملِ اہلِ مدینہ کو بطورِ حجت پیش کرنا بے کار ہے، کیونکہ وہاں مروان ہی کے زمانے سے تغیّرِ سُنن کا آغاز ہو گیا تھا[1]۔

صحیح بخاری۔ ابواب العیدین، باب الخروج الی المصلی بغیر منبر اور دوسری کتبِ حدیث میں تصریح ہے کہ مروان نے جو منبر نمازِ عید کے لیے خاص طور پر بنوایا تھا جب وہ اس پر نمازِ عید سے پہلے ہی چڑھنے لگا تو حضرت ابو سعید خدریؓ نے اس کا دامن پکڑ کر کھینچ لیا مگر مروان دامن چھڑا کر منبر پر براجمان ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں :

فقلت له غیّرتم واللہ فقال ابا سعید قد ذھب ما تعلم فقلت ما اعلم واللہ خیر مما لا اعلم۔

(میں نے مروان سے کہا خدا کی قسم تم نے (امرِ شریعت میں) تغیّر و تبدّل کر دیا۔ تو مروان کہنے لگا، ابو سعید جو کچھ تم جانتے ہو، اس کا دور گزر چکا۔ میں نے (حضرت ابو سعیدؓ نے) جواب دیا: خدا کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا)۔

اب ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ تو مروان کو اس پر ٹوک رہے ہیں کہ تو نے احکامِ شریعت میں تبدیلی کر کے خطبے کو نمازِ عید پر مقدم کر دیا اور مروان اس خلاف ورزیِ سُنّت پر نادم ہونے کے بجائے کہہ رہا ہے کہ ابو سعید جس علم کا مظاہرہ تم کر رہے ہو، وہ تو قصۂ ماضی اور داستانِ پارینہ ہے۔ کیا "اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کی مثال اس سے موزوں تر کوئی اور ہو سکتی ہے:

کوئی صاحب اگر ہم سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہم محض طعنۂ "رفض" اور "الزام" توہینِ صحابہؓ سے بچنے کے لیے ترکِ سُنّت، مخالفتِ شریعت کی بھی داد دے سکیں گے تو یہ بہت مشکل ہے۔ "تعظیمِ صحابہؓ" کی آخر یہ کونسی قسم ہے کہ جس شخص کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت پیش کی جاتی ہے اور وہ جواب میں

---

[1] الاحکام لابن حزم ص ۲ مطبعۃ العاصمہ، قاہرہ۔

کہتا ہے کہ اس کا دور اب لد گیا ہم ایسے شخص کی تعلیم و تکریم کریں۔ اگر ایسے شخص کے خلاف لب کشائی جائز نہیں تو فضل الرحمٰن اور پرویز صاحب کے خلاف زبان کھولنا کیسے جائز ہے ؟

دیوبندی اکابر کا مسلک پھر مولانا محمد ادریس صاحب فرماتے ہیں جہاں تک ہمارے اور ہمارے اکابر کے مسلک کا تعلق ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم مروان کے بارے میں افراط و تفریط دونوں کو مناسب نہیں سمجھتے جس شخصیت کے مناقب و مثالب دونوں تاریخ کے ریکارڈ پر موجود ہوں۔ اگر اس کی مدح وثنا کو آپ کا جی نہیں چاہتا تو نہ کیجیے۔ مگر اس کے حق میں لعن طعن کی زبان بھی مت کھولیے۔ اس کے ماحول کے الجھے ہوئے حالات سے بھی آنکھیں بند نہ کیجیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے مُردوں کو بُرا بھلا مت کہو۔ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا تھا وہ اسے پا چکے ہیں : اس کے جواب میں میری گزارش یہ ہے کہ مجھے تو مروان یا کسی دوسرے فردِ متعین کے حق میں لعن طعن کی زبان کھولنے سے خاص شغف نہیں ہے لیکن کیا مجھے اس بات کا بھی حق نہیں پہنچتا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وہ ارشاد بھی بیان کروں جس میں کسی شخص پر لعنت کا ذکر ہو۔ بلاشبہ آنحضورؐ نے مُردوں بلکہ زندوں کو بھی بلاوجہ بُرا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے، لیکن دوسری طرف قرآن و حدیث ہی میں ایسی مستثنیٰ مثالیں موجود ہیں جن میں بعض افراد پر اللہ اور اس کے رسول کی لعنت مذکور ہے۔ پھر مولانا موصوف نے اپنے جن اکابر کے مسلک کی ترجمانی فرمائی ہے معلوم نہیں اس فہرست میں کون کون بزرگ شامل ہیں اور ان کا افراط و تفریط سے مبرا مسلک کس مقام پر بیان ہوا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدثؒ دہلوی یقیناً ان اکابر میں شامل ہوں گے جنہوں نے رفض و تشیع کے رد میں ایک مبسوط کتاب تحفہ اثنا عشریہ لکھی ہے، اُن سے درج ذیل سوال و جواب فتاویٰ عزیزی میں منقول ہے :

"سوال ۔ مروان کو بُرا کہنے کے بارے میں اہلِ سُنّت کے نزدیک کیا ثابت ہے ؟

جواب ۔ اہلِ بیت کی محبت فرائضِ ایمان سے ہے نہ کہ لوازمِ سُنّت۔ اور محبتِ اہلِ بیت سے ہے کہ مروان علیہ اللعنہ کو بُرا کہنا چاہیے اور اس سے دل سے بیزار رہنا چاہیے۔ علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسین اور اہلِ بیت کے ساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا۔ اس خیال سے اس شیطان سے نہایت ہی بیزار رہنا چاہیے" (فتاویٰ عزیزی ص ۲۲۵، باہتمام حاجی محمد فرکی، ناشر سعید کمپنی۔

ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی، ۱۳۸۷ھ)

علمائے دیوبند کے استاذ الاساتذہ مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری، بخاری، کتاب الفتن، حدیث: هلکة امتی علی یدی غلمة من قریش کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قد وردت احادیث فی لعن الحکم والد مروان وما ولد اخرجها الطبرانی وغیره

(احادیث میں حکم اور اس کے بیٹے پر لعنت وارد ہے۔ طبرانی اور دوسرے محدثین نے انکی تخریج کی ہے)

اس کے بعد دیوبند کے شیخ المشائخ مولانا محمود الحسن صاحب کا درج ذیل قول ملاحظہ ہو جو سنن ترمذی، صلوٰۃ عیدین کی تقریر میں منقول ہے:

یقال ان اول من خطب قبل الصلوٰۃ فی العیدین مروان بن الحکم۔ کان مروان بن الحکم ظالما فحاشا مستدبرا عن سنة علیه السلام وکان یسب الناس فی المجامع مثل الجمعة والاعیاد والناس کانوا لاینتظرون بعد الصلوٰۃ الی الخطبة لسبه فی اثناء الخطبة فقدم الخطبة علی الصلوٰۃ لئلا ینتشر الناس وکانوا ینتظرون للصلوٰۃ لامحالة۔

(کہا جاتا ہے کہ جس نے سب سے پہلے نماز عیدین سے قبل خطبہ دیا وہ مروان بن حکم تھا۔ مروان بے حد پرلے درجے کا ظالم اور سنتِ نبوی کو پیٹھ دکھانے والا اور اس سے منہ موڑنے والا تھا اور لوگوں پر جمعے اور عیدین کے مجمع ہائے عام میں سب وشتم کرتا تھا اور لوگ اس سب وشتم کی وجہ سے نماز عید کے بعد اس کے خطبے کا انتظار کیے بغیر چلے جاتے تھے۔ اسی لیے اس نے نماز پر خطبے کو مقدم کیا تاکہ لوگ منتشر نہ ہوسکیں کیونکہ ان کے لیے نماز کا انتظار ناگزیر تھا)۔

(التقریر للترمذی، مولانا محمود الحسن، مکتبہ رحیمیہ دیوبند، ۱۳۷۱ھ، ص ۱۹)

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کے افادات ترمذی جو مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نے "الکوکب الدری" کے زیر عنوان جمع کرکے چھپوائے ہیں، ان میں اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

اوّل من خطب قبل الصلوٰۃ مروان بنیّة فاسدة۔ فکان یعرض فی خطبته باھل بیت النبی صلی اللہ علیه وسلم ویسیٔ الادب بھم فلما رأی الناس ذالک وان لیس لھم صبر علی

استماع اذا ھم رضی اللہ عنہم جعلوا یذھبون اذا فرغوا من الصلوٰۃ فقدم مروان الخطبۃ لیلجئھم الی سماعھا فکان فعلہ ذالک خبثا ظاھرًا فانکروا علیہ (مروان نے سب سے پہلے بُری نیت کے ساتھ عید کا خطبہ نماز پر مقدم کیا۔ وہ اپنے خطبے میں اہلِ بیت النبیؐ پر طعن و تعریض کرتا تھا اور ان کے حق میں بے ادبی کرتا تھا جب لوگوں نے یہ دیکھا اور وہ اہلِ بیت کی اس ایذا رسانی پر صبر نہ کر سکے تو وہ نماز کے بعد چلے جاتے تھے۔ تب مروان نے خطبہ مقدم کیا تاکہ لوگوں کو مجبور کر کے ایسا خطبہ سنائے، پس اس کا یہ فعل خبث کا مظاہرہ تھا جس پر لوگوں نے اظہارِ نفرت کیا)۔

یہ بات بخاری، صلوٰۃ العیدین کی اس حدیث میں بھی مذکور ہے جس کا کچھ حصہ میں پہلے نقل کر آیا ہوں کہ مروان نے خود حضرت ابو سعیدؓ سے کہا کہ لوگ نماز عید کے بعد ہمارے لیے بیٹھتے ہی نہیں، اس لیے خطبہ کو مقدم کرنا پڑا[1]۔ اب جو لوگ مروان کو صغارِ صحابہ میں شمار کر کے اس کے مناقب بیان کرتے ہیں، انہیں خدارا کچھ تو سوچنا چاہیے اور سوچ کر اس سوال کا جواب دینا چاہیے کہ آخر سب مسلمان اس صغیر صحابی کا خطبۂ عید سننے سے کیوں اتنا دُور بھاگتے تھے حالانکہ خطبہ سُننا مسنون اور ایک طرح سے نماز کا حصہ ہے؟ مولانا محمد ادریس صاحب اپنے اکابر کا جو مسلک بیان فرما رہے ہیں، اس بیان کردہ مسلک کی روشنی میں وہ ان اکابر کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جن کے اقوال میں نے ابھی درج کیے ہیں؟ دیوبندی مسلک کے اصل ترجمان یہ حضرات ہیں یا آپ ہیں؟ آپ فرماتے ہیں کہ تم مروان کے کارناموں اور اس کے ماحول کے اُلجھے ہوئے حالات سے بھی آنکھیں بند نہ کرو۔ اس نصیحت کے ہم شکر گزار ہیں مگر آپ بھی مروان کے اُن کارناموں سے چشم پوشی نہ فرمائیں جنہوں نے اس ماحول کے حالات کو الجھانے میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں اور امام ذہبیؒ کا حوالہ دیتے ہیں کہ خدا سے بغض رکھنے والوں نے، جن کا اوڑھنا بچھونا کذب و نفاق تھا، انہوں نے طوفانِ بدتمیزی سے طومار تیار کیے اور آپ کو شاید معلوم نہیں کہ خود امام ذہبیؒ نے مروان کے بارے میں اپنی متعدد تصانیف میں کیا کچھ لکھا ہے؟ مگر محدثین نے جو کچھ مروان کے متعلق فرمایا ہے اس کے بیان کا اصل موقع اس وقت آئے گا، جب کبھی میں ان شاء اللہ حافظ صلاح الدین یوسف کی کتاب پر تبصرہ کروں گا۔ سرِدست میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ تاہم آپ نے جو باصرار اس امر کا اعلان کیا کہ ہمارے بزرگوں کا ذوق یہی ہے کہ وہ مروان پر زبانِ طعن دراز نہیں کرتے، اس کے جواب میں آپ کے

[1] مروان اور حضرت ابو سعیدؓ کا یہ واقعہ معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں بھی وارد ہے۔

بزرگوں کے چند اقوال نمونۃً پیش کر دیئے گئے جنہوں نے "مروان پر زبانِ طعن دراز" کی ہے[5]

عجیب و غریب مغالطہ | مولانا محمد ادریس صاحب نے آخر میں ایک حیرت انگیز بات ارشاد فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں "ملک صاحب کو غالباً کسی دار الحدیث میں کتبِ حدیث کی سماعت کا اتفاق ہوا ہوگا اور طلبۂ حدیث کی اس عادت کا بھی علم ہوگا کہ وہ ہر حدیث کی سند پڑھنے کے بعد متنِ حدیث شروع کرنے سے پہلے صحابی کے نام پر رضی اللہ عنہ و عنہم کہنے کا التزام کرتے ہیں۔ اب بخاری شریف کی قرات کرتے ہوئے جہاں مروان بن الحکم کے نام پر سند ختم ہو جاتی ہے، وہاں ملک صاحب رضی اللہ عنہما کہنے کا فتوے دیں گے یا معاذ اللہ لعنۃ اللہ علیہم کا؟ بیّنوا توجروا"۔ اس صریح اشتعال آمیز اور مغالطہ خیز عبارت کو بغور پڑھنے کے باوجود میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس کا منشا و مدعا کیا ہے اور اس کی بنا کیا ہے؟ اگر مولانا محمد ادریس صاحب یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ امام بخاری نے مروان یا حکم کو صحابی قرار دیتے ہوئے ان سے کوئی مرفوع و متصل حدیث براہِ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح بخاری شریف میں تخریج کی ہے تو یہ بات بالکل غلط ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح میں ایسی کوئی حدیث نہیں لی ہے۔ نہ وہ ان کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ اپنی تاریخ میں ان کا قاعدہ ہے کہ وہ بالعموم صحابی کے ساتھ له صحبة وغیرہ کے الفاظ درج کرتے ہیں یا کوئی ایسی حدیث نقل کرتے ہیں جو ان صحابی نے بلا واسطہ آنحضورؐ سے روایت کی ہو لیکن تاریخ کبیر ج ۴ ص ۳۶۸ (دائرۃ المعارف) میں مروان کے ترجمے میں ایسی کوئی تصریح نہیں، بلکہ صرف یہ ہے کہ سمع عثمان بن عفان وبسرۃ (یعنی مروان نے حضرت عثمانؓ و بسرۃؓ سے روایت سنی ہے[2])۔

امام ذہبیؒ لسان المیزان میں مروان کے ترجمے میں صاف فرماتے ہیں: قال البخاری: لم یر النبی صلی اللہ

---

[1] محمد تقی صاحب نے اس حقیقت سے انکار کرنے پر بڑا زور لگایا تھا کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے گورنر مروان وغیرہ حضرت علیؓ اور اہلِ بیت پر جمعہ کے خطبوں میں سب و شتم اور لعن طعن کرتے تھے۔ اب وہ مزید میری اس بحث کو بھی دیکھ لیں جس میں مولانا شبلی نعمانی اور دیوبند کے اکابر اس سب و شتم کو بطور ایک واقعۂ مسلّمہ کے بیان کر رہے ہیں اور اس کے لیے کسی حوالے کی ضرورت نہیں محسوس کرتے۔ متعدد دیگر ائمہ سلف نے (مثلاً امام ابن حزمؒ، امام محمد بن احمد السفارینی الحنبلی اور بے شمار دوسرے بزرگوں نے) اسے اسی طرح بیان کیا ہے اس کے بعد بھی جو شخص کبھی نہ ماننے کی رٹ لگانا چاہے، اُسے کون روک سکتا ہے؟

[2] حافظ ابن حجرؒ نے بھی تہذیب میں مروان کے متعلق لکھا ہے لا تثبت له صحبة (اس کی صحابیت ثابت نہیں)

علیہ وسلم۔ قلت روی عن بسرۃ وعن عثمان ولہ اعمال موبقۃ نسأل اللہ السلامۃ رمی طلحۃ بسہم وفعل وفعل :

(بخاری کہتے ہیں: مروان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ اس نے بُسرؓہ (بنت صفوان) اور عثمانؓ سے روایت کی ہے اور اس کے اعمال ہلاکت خیز ہیں، ہم اللہ سے سلامتی طلب کرتے ہیں۔ مروان نے حضرت طلحہؓ کو تیر مارا اور بہت سے ناگفتنی افعال کا ارتکاب کیا)۔

طبقات ابن سعد میں حضرت طلحہؓ کے ترجمہ میں پانچ مختلف اَسناد سے مروی ہے کہ مروان ہی نے حضرت طلحہؓ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ امام بخاریؒ کا یہ قول تہذیب التہذیب اور دوسری کتابوں میں بھی منقول ہے۔ مروان کی مذمت میں امام ذہبی کے اس سے شدید تر اقوال بھی موجود ہیں (امام نووی تہذیب الاسماء میں فرماتے ہیں لم یسمع النبیؐ ولاراٰہ (مروان نے حضورؐ سے نہ حدیث سنی نہ آپ کو دیکھا)۔

صحیح بخاری کے جو نسخے متداول ہیں اور جن کی سند امام بخاریؒ تک پہنچتی ہے، ان میں جہاں کسی صحابیؓ تک سلسلۂ اسناد پہنچتا ہے وہاں اکثر و بیشتر صحابی کے ساتھ رضی اللہ عنہ کے الفاظ موجود ہیں۔ کسی ایک جگہ اگر یہ رہ گئے ہیں تو دوسرے مقام پر ان صحابی کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کر دیا گیا ہے لیکن مروان یا حکم کا نام جہاں بھی آیا ہے، وہاں رضی اللہ عنہ نہیں لکھا گیا ہے۔ مثلاً بخاری، کتاب الشروط کی پہلی ہی حدیث حضرت عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے انہ سمع مروان والمسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما .... اب اس سند میں رضی اللہ عنہما کے متعلق کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس میں ھُما کا اشارہ مروان اور حضرت مسورؓ کی جانب ہے نہیں، بلکہ اشارہ حضرت مسورؓ اور ان کے والد حضرت مخرمہؓ کی جانب ہے جو دونوں صحابی ہیں اور انہی کو امام بخاریؒ نے رضی اللہ عنہما کہا ہے۔ اگر مروان کو بھی امام بخاریؒ شامل کرتے تو رضی اللہ عنہم کہتے۔ اب یہاں رضی اللہ .. کے الفاظ نہ ہوتے تب بھی ایک بات تھی لیکن امام بخاری صاف طور پر دو صحابیوں کے ساتھ یہ الفاظ لاتے ہیں اور مروان کو خارج کر دیا ہے۔ کوئی صاحب اگر مزید اطمینان کرنا چاہیں تو وہ عمدۃ القاری میں اس حدیث کی شرح دیکھ لیں۔ وہاں علامہ عینی حضرت مسورؓ اور حضرت مخرمہؓ کے متعلق لکھتے ہیں لہ ولابیہ صحبۃ (باپ بیٹے دونوں صحابی ہیں)۔ پھر فرماتے ہیں:

اما مروان فانہ لا یصح لہ سماع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا صحبۃ لانہ

خرج الی الطائف طفلاً لا یعقل لما نفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اباہ الحکم وکان مع ابیہ بالطائف حتی استخلف عثمان فردّھما۔

(جہاں تک مروان کا تعلق ہے، اس کی سماعتِ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح و ثابت نہیں ہے اور نہ وہ صحابی ہے۔ کیونکہ وہ ایک طفلِ نادان تھا جبکہ اُسے اپنے باپ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینے سے طائف کی طرف جلا وطن کر دیا تھا اور وہ اپنے باپ کے ساتھ طائف ہی میں رہا۔ حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے دونوں کو واپس بلالیا)۔

صحیح بخاری میں مروان کی دوسری روایات کا بھی یہی معاملہ ہے کہ جہاں مروان کے نام پران کی سند کا خاتمہ ہوا ہے وہ سب مُرسَل روایتیں ہیں، یعنی مروان کے بعد کسی صحابی کا نام غیر مذکور ہے جن سے مروان نے روایت کی ہے۔ یہ احادیث مروان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہرگز نہیں سُنی ہیں۔ اب اس کے بعد ہر صاحبِ علم یہ دیکھ سکتا ہے کہ مولانا محمد ادریس صاحب کا یہ سوال کتنا عجیب و غریب ہے کہ "بخاری شریف میں جہاں مروان بن حکم کے نام پر سند ختم ہوتی ہے وہاں ملک صاحب رضی اللہ عنہما کہیں گے یا لعنۃ اللہ ... کا فتویٰ دیں گے؟" مَیں نہ مفتی ہوں، نہ مجھے لعنت بھیجنے کا زیادہ ذوق و شوق ہے، مگر بخاری شریف پڑھتے ہوئے مَیں اس کے مصنف امام بخاری ہی کے طریقے پر عمل کروں گا اور مروان اور حکم کو رضی اللہ عنہما ہرگز نہیں کہوں گا، جبکہ میرے نزدیک وہ صحابی نہیں اور ان پر حدیث میں لعنت بھی وارد ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کونسا "دارالحدیث" ہے یا تھا جس میں بخاری کا درس دیتے ہوئے جہاں ان باپ بیٹوں کا نام آتا ہے، وہاں طلبہ و اساتذہ مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما کا اہتمام فرماتے ہیں؟ مولانا موصوف سے درخواست ہے کہ وہ میری اور دوسرے طالبانِ علم کی معلومات میں اضافہ فرمائیں اور ذرا چند ایسے "دارالحدیث" اور ان کے معلّمین و فارغین کے نام بیّنات میں شائع فرما دیں جو قراءتِ بخاری کے دوران میں مروان بن حکم رضی اللہ عنہما کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ پھر یہ فعل اس مزعومہ "مسلکِ اکابر" سے کہاں تک موافق ہے جس کی رُو سے اس باپ بیٹے کے لیے نہ رضی اللہ عنہما کہنا روا ہے نہ لعنھما اللہ کہنا۔

مروان کا باپ | الحکم غضب بالائے غضب یہ ہے کہ فاضل مدیر بیّنات مروان کے ساتھ حکم کو بھی شریک کر کے دونوں کے حق میں رضی اللہ عنہما کی قراءت کا التزام چاہتے ہیں اور غالباً مدیر موصوف پہلے شخص ہیں جنہوں نے حکم کو بھی رضی اللہ عنہ بنانے کی سعی فرمائی ہے۔ حکم وہ شخص ہے جو منافقینِ مدینہ سے ساز باز

رکھ کر انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے راز اور خفیہ امور سے آگاہ کرتا تھا۔ محدثین و مورخین کا بیان ہے کہ وہ کبھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نطقِ مبارک کی نقل آتارتے ہوئے ایک مصنوعی انداز میں بولتا تھا، کبھی چلتے ہوئے آنحضورؐ کی خصوصی رفتارِ مبارک کی نقلیں آتارتا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں اس کو شمار کیا گیا ہے کہ اس شخص کی گفتار و رفتار میں ایک طرح کا تصنع اور فساد پیدا ہو گیا تھا کیونکہ آنحضورؐ نے فرمایا تھا کن کذالک۔ بعض اقوال کے مطابق یہ شخص گھروں میں جھانکتا تھا۔ غرض یہ کہ ان حرکات کی بنا پر اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ بدر کر کے طائف میں قید کر دیا تھا اور کوشش کے باوجود حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں واپس آنے کی اجازت اُسے نہ مل سکی۔ مروان اور اس کے باپ کے متعلق حافظ ابن کثیر البدایہ (جلد ۸ ص ۲۵۹) میں لکھتے ہیں:

"قد کان ابوہ الحکم من اکبر اعداء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانما اسلم یوم الفتح وقدم الحکم مدینۃ ثم طردہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الطائف ومات بھا ومروان کان اکبر الاسباب فی حصار عثمان۔

(اور مروان کا باپ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمنوں میں سے تھا، فتح مکہ کے روز ایمان لایا اور مدینے پہنچا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا اور وہیں وہ فوت ہوا اور مروان حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کا سب سے بڑا سبب تھا۔)

اب اگر ایسا باپ اور بیٹا بھی رضی اللہ عنہما ہیں تو پھر کہہ دیجیے کہ عبداللہ بن ابی بھی رضی اللہ عنہ ہے۔ وہ مرتے دم تک مدینے میں مسلمانوں کے معاشرے میں رہا ہے اور مسلمانوں ہی کے قبرستان میں دفن ہوا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ بھی پڑھایا اور اس کے کفن کے لیے اپنا پیرہن مبارک بھی عطا فرمایا۔ جو لوگ اپنا "ذوق" یہ بتا رہے ہیں کہ حکم اور اس کے بیٹے پر زبانِ طعن دراز نہ کی جائے ان کی نگاہ سے سورۂ احزاب کی وہ آیت تو گزری ہو گی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا۔

"البلاغ کے جواب میں محض ضمناً میں نے یہ لکھ دیا تھا کہ حدیث میں حکم اور اس کے بیٹے پر لعنت وارد ہے اور یہ اُن چند مقامات میں سے ایک ہے جہاں محمد تقی صاحب عثمانی نے مجھ سے اظہارِ اتفاق

---

[1] شاہ عبدالعزیز محدث کا قول پہلے نقل ہو چکا کہ "مروان کامل عداوت حضرات اہل بیت سے رکھتا تھا۔"

کر لیا تھا لیکن عجیب بات ہے کہ "بینات" نے اس پر فوراً "البلاغ" کو لقمہ دینا ضروری سمجھا اور مولانا ٹونکی صاحب اور مولانا محمد ادریس صاحب نے مل کر عثمانی صاحب کو کمک پہنچانے اور مروان اور حکم کے مناقب بیان فرمانے کی کوشش کی۔ یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہے، اس کا اندازہ قارئین خود ہی کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف جناب محمد تقی صاحب نے جو اُلٹی زقند لگائی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔ البلاغ کے تازہ جمادی الاولیٰ کے شمارے میں لکھتے ہیں:

"احقر نے ذی الحجہ کے البلاغ میں لکھ دیا تھا کہ ملک صاحب کے دیئے ہوئے حوالے کے مطابق مستدرک ص ۴۸۱ ج ۴ پر مجھے یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ مل گئی جس کی حافظ ذہبیؒ نے بھی توثیق کی ہے۔ اب ربیع الثانی کے بینات میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے میری اس عبارت پر گرفت کر کے حدیث کی مفصل تحقیق درج فرمائی ہے۔ اب میں مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدظلہم کی تحقیق پر مطمئن ہوں اور اس تنبیہ پر ان کا شکر گزار۔ مجھے مدیر بینات کے ان الفاظ سے بھی پورا اتفاق ہے کہ ہمارے بزرگوں کا ذوق یہی ہے کہ مروان کو نہ صحابہ کرام کے مخصوص لقب رضی اللہ عنہ سے جابجا یاد کرتے ہیں، نہ اس پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں"

اب البلاغ کی یہ تازہ مراجعت کیا اس امر کا واضح ثبوت نہیں ہے کہ یہ لوگ اپنے گروہ کی حد تک "من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" کی روش پر کاربند ہیں۔ صحیح بات سے ہٹنا اور غلط بات پر ڈٹنا ان کے لیے بالکل سہل ہے۔ جسے یہ اپنے حلقے کا آدمی سمجھتے ہیں، وہ اگر نہایت کمزور اور واہی بات کہہ دے تب بھی اسے لپک کر لیں گے اور جو ان کی ٹریڈ یونین کا ممبر نہ ہو، اس کے معاملے میں ان کی "فراخدلی" فوراً ان کا ساتھ چھوڑ دیگی۔ البلاغ اور بینات کے ادارہ تحریر سے میری یہ گذارش ہے کہ "جمہور اہلِ سنت کے مسلک" اور "آپ کے اکابر کے ذوق" کی تحقیق کے تقاضے محض ستائشِ باہمی سے پورے نہیں ہو سکتے۔ نہ علمی بحثوں میں بودا اور غیر محکم استدلال محض اس طرح کی پھبتیوں سے موثر اور جاندار ہو سکتا ہے کہ آپ دوسروں کے لیے ——"جلا کٹا رافضی، ذوقِ مودودیت کا وکیل، رافضیت کا جدید ایڈیشن، کارخانہ رفض کی پیداوار"—— اور اس طرح کے دوسرے عامیانہ اور معیارِ شرافت و ثقاہت سے فروتر الفاظ استعمال کریں۔ اگر آپ انبیاء علیہم السلام کے وارث اور ان کے خُلق کے حامل ہیں، تو آپ کو یہ تاثر بالالقاب اور فقرے بازیاں

زیب نہیں دیتیں، نہ ان کی مدد سے ہوائی اور غیر علمی باتوں کو وزن و قرار نصیب ہو سکتا ہے۔ دلیل سے بات مانیے اور منوائیے، محض طعن و تشنیع اور ہمز و لمز سے کام نکالنے کی سعیِ ناکام نہ فرمائیے۔

اندکے پیشِ تو گفتم و بدل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

آخر میں ایک اور مفتی صاحب کا تازہ بصیرت افروز فتویٰ بھی ہدیۂ قارئین ہے۔ یہ "تعلیم القرآن" راولپنڈی جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ میں شائع ہوا ہے۔ مفتی صاحب سے پوچھا گیا کہ "کیا مروان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور کیا ان کو خبیث کہنا جائز ہے اور جو امام ایسا کہے اس کے پیچھے اقتداء کرنی جائز ہے؟" مفتی صاحب فرماتے ہیں:

"مروان کو اسماء الرجال کی کتابوں میں صحابہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کی پیدائش ہوئی ہے بعد از ہجرت۔ ان کے باپ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طائف کی جانب نکال دیا تھا اور یہ بوجہ چھوٹا ہونے کے باپ کے ساتھ ہی رہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انہوں نے دیکھا نہیں۔ ان کی روایت صحاح ستہ میں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معتمد خاص تھے۔ ان کو ناشائستہ الفاظ میں ذکر کرنا مسلکِ اہلِ سنت والجماعت کے خلاف ہے اور خیر القرون مشہود لہا بالخیر کے متعلق بے باکی۔ فلہٰذا جو اس جسارت کا مرتکب ہے، ایسے شخص کو سمجھانا چاہیے ... اگر امام مذکور اصلاح قبول کرے تو اس کی اقتدا درست ہے، ورنہ مکروہ ہے کیونکہ وہ مبتدع ہے اور مبتدع کی اقتداء فقہاء کرام نے مکروہ لکھی ہے۔"

عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن

اب ان مفتی صاحب نے جو فتویٰ داغا ہے اور حضرت مروان کی شان میں ناشائستہ الفاظ کہنے والوں کو جس طرح مسلکِ اہلِ سُنّت کا مخالف، بے باک، جسارت کا مرتکب، مبتدع اور امامتِ صلوٰۃ کے لیے نااہل قرار دیا ہے، ذرا اس فتوے کی روشنی میں ان سارے اکابر[1] کے اقوالِ مندرجۂ بالا کو دوبارہ دیکھیے

[1] ان اکابر میں سے ایک کا ذکر اسی رسالے کے ص۔ ۱۰ پر ان الفاظ میں کیا گیا ہے "شیخ محدث وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ بھی یاد رہے کہ مولانا گنگوہی نے مروان کے لیے وہی لفظ خبیث استعمال کیا ہے جو سائل کے سوال میں مذکور ہے